بسمہ تعالیٰ

ابتدائیہ

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے جو تقریر مصلح الامت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت کے بعد الہ آباد میں فرمائی تھی وہ تعمیر حیات لکھنؤ اپریل ۱۹۹۹ء کے شمارہ میں بعنوان ''اصلاح واستفادہ سے کوئی مستغنی نہیں'' شائع ہوئی۔ اُسے پڑھ کر بہت خوشی ہوئی۔

احقر نے قبل ازیں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر اکابرین کے افادات سے معیت صادقین کی ضرورت سے متعلق چند مضامین کا ایک مجموعہ تیار کیا تھا، اس کا نام مرشدی و مولائی حضرت اقدس مولانا ابرار الحق صاحب دامت فیوضہم نے ''بنیاد اصلاح یعنی معیت صادقین کی ضرورت'' تجویز فرمایا جو شائع ہو چکی ہے اس میں بھی حضرت مولانا علی میاں صاحب علیہ الرحمہ کا ایک مختصر مضمون بعنوان ''اخلاص'' (از پاجا سراغِ زندگی) شائع ہو چکا ہے۔ چونکہ یہ تقریر بھی اسی نوع کے اہم مضمون پر مشتمل ہے اس لئے اسے علحدہ کتابچہ کی شکل میں شائع کرنے کا داعیہ پیدا ہوا۔ پھر تعمیر حیات کا مفکر اسلام نمبر منظر عام پر آیا تو اس سے بھی اس نوع کے چند اقتباسات وملفوظات مزید افادہ کیلئے شامل کرتے ہوئے اس مجموعے کو شائع کرنے کی سعادت حاصل کی جارہی ہے۔ نیز اس تقریر میں حضرت علیہ الرحمہ نے حضرت مولانا شاہ اشرف علی صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہ سے حضرت مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے رجوع ہونے پر ان کے معتقدین ومعاصرین کے اعتراض وناراضگی کا جو تذکرہ فرمایا ہے اسے دیکھ کر اس واقعہ کی جو احقر نے کئی سال قبل (تذکرۂ سلیمان میں) دیکھا تھا، یاد تازہ ہوگئی۔ مناسب معلوم ہوا ہے کہ اس موقع پر ڈاکٹر سید محمد ہاشم صاحب مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ کی مؤلفہ کتاب ''سید سلیمان ندوی حیات اور ادبی کارنامے'' سے اس واقعے کے متعلق چند اقتباسات ہدیۂ ناظرین کردئے جائیں۔ ڈاکٹر سید محمد ہاشم صاحب تحریر فرماتے ہیں:

''ان لوگوں کے اختلافات کی وجہ ان کی یہ حیرت واستعجاب اور مجموعۂ اعتراضات تھا کہ مسند نشین شبلی آستانۂ اشرفیہ پر علم کا دھنی فقیر کی دہلیز پر ملت کا

www.abulhasanalinadwi.org

رہبر خانقاہ کے حجرہ میں یہ کیونکر ممکن ہوا۔ اس کیلئے خطوط کی بھرمار، سوالات کی بوچھار، الزمات کا انبار تھا کہ آپ نے یہ کیا کیا؟ ایسا کیوں کیا؟ آپ کو کیا ضرورت پڑی تھی آپ تو نیک اور صاحب علم وجاہ تھے، آپ نے ندوی نسبت کو ٹھیس پہونچائی ..... وغیرہ وغیرہ (اس نوع کے اعتراضات پر) سید صاحب عام طور سے خاموش رہتے۔ لیکن اگر کبھی محفل میں لوگ جمع ہوکر استفسارات کرتے تو فرمادیتے۔

''وہ لوگ مجھ کو زبان سے تو فاضل ومحقق کہتے ہیں مگر درحقیقت مجھ کو بے عقل جانتے ہیں آخر اس بات پر کیوں غور نہیں کرتے۔ ان کے خیال کے مطابق اگر میں واقعی علامہ اور محقق ہوں تو کیا بلاوجہ میں نے مولانا تھانوی کا دامن تھاما ہے میں نے اپنے اندر کوئی کمی پائی تو جس کی تکمیل کیلئے میں وہاں گیا۔'' (تذکرۂ سلیمان، ص:۱۵۳)

ایسے ہی ایک معترضانہ خط کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

جن کمالات کی بناء پر آپ نے مجھے اپنا قبلہ بنایا تھا انہیں کمالات نے مجھ کو مولانا تھانوی کے آگے جھکا دیا میں نے اپنے انجام کی فکر کرلی اب آپ کو اختیار ہے اپنا قبلہ کوئی اور تجویز کرلیں۔'' (معارف سلیمان، ص:۹۷)

ایک اور خط میں تحریر فرمایا:

''آپ اپنی محبت سے سب کچھ سمجھتے ہیں لیکن من آنم کہ من دانم، علماء پر فرائض کا بار عام مسلمانوں سے زیادہ ہے اس لئے کہ اگر وہ درست نہوں تو ان پر عذاب دوسروں سے زیادہ ہے۔ معاملہ دماغ کا نہیں قلب سلیم اور قلب منیب کا ہے۔ نفس کا نہیں، روح کا ہے۔ میری اتنی زندگی بندوں میں گذری اب کچھ اس زندگی کیلئے کرنا چاہئے جو باقی ہے۔ ابھی منزل مقصود بہت دور ہے۔ ..... صرف تسبیح ومراقبہ سے کچھ نہیں ملتا جب تک دل کا تعلق دل والے سے نہ ہو ہم تو بندوں کی رضامندی اور ناراضگی میں گرفتار ہیں۔ مالک کی رضامندی اور نارضامندی کی کس کو فکر ہے دعا کیجئے کہ مجھ کو اللہ تعالیٰ صحیح راستہ پر چلائے۔''

www.abulhasanalinadwi.org

اور یہی وہ اسباب تھے خالِ دل اور طلب صادق تھی جس نے سید صاحب جیسے مسند نشین شبلی کو آستانۂ اشرفیہ پر علم کے دھنی کو فقیر کی دہلیز پر ملت کے رہبر کو خانقاہ کے حجرہ میں پہونچا دیا اور یہ سید صاحب ہی پر موقوف نہیں بلکہ تاریخ شاہد ہے کہ علم کے بہت سے اہم ترین ستونوں نے زندگی کی تمامتر نیرنگیوں اور علم وعمل کی بہاروں کے نظارہ سے فارغ ہوکر اسی راہ میں آ کر اپنے ایمان ویقین کو مستحکم کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام شافعیؒ جیسے عالم جلیل کو دس سال صوفیہ کی صحبت میں رہنے کی ضرورت پیش آئی۔ امام احمد بن حنبل اپنے علم و ورع کے باوجود ابوحمزہ بغدادی کو پلکوں پر بٹھانے کیلئے تیار رہتے تھے، اور اپنے صاحبزادہ کو صوفیہ کی خدمت میں حاضری کی تاکید کرتے رہتے تھے، امام غزالیؒ نے معقول ومنقول کے سمندر کھنگال ڈالے لیکن گوہر مراد کو پانے کیلئے بوعلی فارمدی کے آستانے پر پہونچ کر ہی مطمئن وسرشار ہو سکے، امام رازی جیسے مشہور متکلم نے شیخ نجم الدین کبریٰ کی خدمت میں حاضر ہوکر اپنے علوم وکمالات کے باوجود اسی درویش کے یہاں قلبی تسکین کا سامان پایا، جلال الدین رومی برسہابرس میدانِ علم کی بادیہ پیمائی کرنے کے بعد بالآخر شمس تبریز کے یہاں بوریہ نشین ہوئے اور ابوالعباس شریح حضرت جنید سے اور امام ابوعمران حضرت شبلی سے غیر معمولی عقیدت رکھتے تھے، اور بخاری کے مشہور شارح امام قسطلانی نے بھی قاہرہ میں خانوادۂ سہروردیہ سے رشتہ قائم کیا۔ پھر اگر بیسویں صدی کے سیرت نگار رسول سید سلیمان ندوی نے بھی اپنے خاص علمی و دینی علوم پر تبحر کے باوجود اپنے اندر کمی محسوس کر کے اس کی اصلاح کی جدوجہد کی تو نہ صرف یہ کہ انہوں نے شانِ سلیمانی کے عین مطابق کام کیا بلکہ اپنے اپنے وقت کے نابغہ حضرات کی اہم علمی روایات پر چل کر اس فہرست میں اپنا بھی ایک خاص مقام حاصل کرلیا۔

(اقتباسات از سید سلیمان ندویؒ حیات وادبی کارنامہ ص: ۱۷۱ تا ص: ۱۷۴)

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اپنے فضل سے اس مختصر مجموعہ کو قبول فرما کر نافع ومفید بنائے۔

محمد عبدالستار

سابق محاسب مدرسہ فیض العلوم، سعید آباد، حیدرآباد

www.abulhasanalinadwi.org

اصلاح واستفادہ سے کوئی مستغنی نہیں

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی دامت برکاتہم نے یہ تقریر مصلح الامت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ الہ آباد میں ان کی وفات کے بعد فرمائی، جو نومبر ۱۹۷۶ء میں ''معرفت حق نما'' میں شائع ہوئی تھی۔ تقریر کی اہمیت و افادیت کے پیش نظر ہم اس کو ہدیہ ناظرین کررہے ہیں۔ (ادارہ)

الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علیٰ سید المرسلین محمد بن عبد اللہ الأمین ومن تبعھم باحسان الی یوم الدین

حضرات! جن لوگوں کو کسی مدرسہ میں پڑھنے کا اتفاق ہوا ہے یا وہ کسی بزرگ کی خدمت میں استفادہ اور تربیت کیلئے حاضر ہوئے ہیں ان کو اس کا بخوبی اندازہ ہوگا کہ زمانہ خواہ کتنا ہی گذر جائے اس طالب علم کیلئے اپنے مدرسہ میں کھڑے ہوکر کچھ بیان کرنا یا اس جگہ جہاں وہ استفادہ کے لئے حاضر ہوا کرتا تھا۔ کچھ عرض کرنا کتنا مشکل کام ہے۔

میری مثال بالکل ایسی ہی ہے اس لئے کہ میں ہمیشہ اپنے بزرگوں کی خدمت میں اور خصوصاً اس آخری دور میں حضرت مولانا (شاہ وصی اللہ صاحبؒ) کی خدمت میں محض اس لئے آتا تھا کہ کوئی ایسی بات سننے میں آئے جس سے دل میں کچھ کیفیت پیدا ہو، یقین میں اضافہ ہو اور اسمیں ایمانی حلاوت نصیب ہو۔ اور رسم وصورت میں حقیقت پیدا ہو۔

بہت سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جو لوگ کچھ لکھ پڑھ جاتے ہیں، یا ان کو کچھ تصنیف وتالیف کا اتفاق ہوتا ہے اور ان کی طرف کچھ نگاہیں اٹھنے لگتی ہیں کہ ہم بھی کچھ جانتے بوجھتے ہیں تو پھر اب ان کو کچھ سننے کی اور کہیں جانے کی اور کسی سے فائدہ اٹھانے کی ضرورت نہیں تو ان کا یہ خیال بالکل صحیح نہیں بلکہ واقعہ یہ ہے کہ کوئی آدمی کسی دور میں بھی اور کسی عمر میں بھی،

www.abulhasanalinadwi.org

گمنامی اور شہرت کی حالت میں بھی استفادہ سے بلکہ اصلاح سے مستغنی نہیں ہوتا، ہمہ شما کا تو خیر ذکر کیا ہے۔ جن کو حضور ﷺ جیسی صحبت حاصل تھی جس کو کیمیا اثر کہنا بھی حقیقت میں اس کی کچھ تعریف نہ ہوگی۔ بس یوں سمجھئے کہ ایسی پاک صحبت جس کے بعد کسی صحبت کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔ اور کوئی صحبت اس سے بڑھ کر مؤثر نہیں ہو سکتی مگر پھر بھی صحابۂ کرامؓ کو آپ کے بعد ہمیشہ اس بات کی فکر وطلب رہتی تھی کہ اپنے ایمان میں اضافہ کریں اور ہمارے قلوب میں وہی سوز وگداز اور وہی کیفیات پیدا ہوں جو صحبت نبویؐ میں حاصل ہوا کرتی تھیں یا کم از کم اس کا اثر یا عکس ہی نصیب ہو جائے چنانچہ بخاری شریف میں ایک جلیل القدر صحابی کا یہ قول۔ امام بخاری نے نقل کیا ہے اجلس بنا نؤمن ساعۃ۔ آؤ بھائی تھوڑی دیر بیٹھ کر ذرا ایمان کی باتیں کرلیں۔ اور ایمان کا مزہ اٹھالیں۔ ایمان کے جھونکے آئیں اور ہم اس سے لطف اندوز ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ صحابہؓ کو اس کی ضرورت محسوس ہوئی تو بعد والے کیونکر اس سے مستغنی ہو سکتے ہیں۔ بلکہ واقعہ یہ ہے اور جن لوگوں کو تجربہ ہے وہ جانتے ہیں کہ کہنے سننے سے آدمی کے قلب میں ضرور ایک بے کیفی سی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور اس میں کہنا سننے سے زیادہ اثر انداز ہوتا ہے۔ سننے سے اتنی بے کیفی قلب میں نہیں پیدا ہوتی ہے جتنی کہنے سے ہوتی ہے۔ اس لئے ایسے لوگوں کو اس کی زیادہ ضرورت ہے کہ وہ کبھی سامع ہوں قائل نہ ہوں اور کبھی صرف مستفید ہوں مفید نہ ہوں اور کبھی مخاطب ہوں مخاطِب نہ ہوں اور ہمہ تن گوش ہو کر کسی اللہ والے کی باتیں سنیں تاکہ قلب میں ایسا کیف پیدا ہو، جس سے قلب کی زندگی ہے۔

غرض جن لوگوں کو ذرا بھی تجربہ ہے اور انکے قلوب مردہ نہیں ہو چکے ہیں وہ خود جانتے ہیں کہ ان کو دوسروں سے ہزار درجہ زیادہ اپنے ایمان کو تازہ کرنے کی ضرورت ہے اور اللہ والوں کی بات ادب وتعظیم کے ساتھ سننے کی ضرورت ہے اگر وہ سمجھیں کہ ہم مستغنی ہیں یا ہم بھرے ہوئے ہیں۔ تو ان سے زیادہ محروم و بدقسمت کوئی نہیں بزرگان دین نے اس کی ایسی مثال بیان فرمائی ہے کہ اگر کوئی فقیر اس طرح صدا لگائے کہ یوں تو میرے پاس سب کچھ ہے ہمارا کشکول بھی بھرا ہوا ہے پھر بھی صدا لگاتا ہوں تو بڑے سے بڑے سخی کے اندر سخاوت کا جذبہ نہیں پیدا ہوگا۔ اس کے لئے تو اسباب کی ضرورت ہے کہ اپنے کو محتاج ظاہر کیا جائے۔

www.abulhasanalinadwi.org

یہی حال اب یہاں بھی ہونا چاہئے (یعنی اللہ والوں کے یہاں) ان حضرات کے یہاں اس طرح سے حاضر ہونا چاہئے کہ ہم بالکل خالی ہیں، مفلس و محتاج بن کر آپ کی خدمت میں کچھ لینے کے لئے آئے ہیں ؂

مفلسانیم آمدہ در کوئے تو　　شیئاً للہ از جمال روئے تو
دست بکشا جانب زنبیل ما　　آفریں بردست و بر بازوئے تو

واقعہ یہ ہے کہ تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد مجھے اس کی ضرورت محسوس ہوتی تھی کہ میں ایسے حضرات کی خدمت میں حاضری دوں۔ اور پھر ایسے دور میں اور ہمارے جوار میں مولانا وصی اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ شفقت کرنے والا نظر میں کوئی نہیں تھا۔ اور مناسبت کی بات تو بالکل غیر اختیاری ہے اس کے لئے کوئی معلوم اور متعین اصول نہیں ہیں کیوں ہوتی ہے؟ کب ہوتی ہے؟ کیسے ہوتی ہے؟ اس کے اصول تو کسی بڑے سے بڑے حکیم نے بھی نہیں بتائے تو مناسبت منجانب اللہ ایک چیز ہے، بہر حال حضرت کی صحبت سے مجھے فائدہ ہوتا تھا۔ حضرت کی شفقتوں سے متعلق کچھ کہنے کی ضرورت نہیں وہ تو ہمارے دوستوں کو اور یہاں کے حاضر باش بزرگوں کو یاد ہوں گی باقی سب سے بڑا فائدہ یہاں کی حاضری میں مجھے یہ ہوتا تھا۔ (جس کی شاید آپ حضرات توقع نہ کرینگے) وہ یہ کہ معلوم ہوتا تھا کہ ہم یہاں بالکل عامی ہیں اور گنوار ہیں ہمیں ان چیزوں کی ہوا بھی نہیں لگی۔ اور یہ کہ دین کی حقیقت ان ہی حضرات کے یہاں آکر معلوم ہوتی۔ اگر کوئی اور فائدہ نہ ہوتا سوائے اس اصولی اور کلی فائدے کے تو سب سے بڑا فائدہ یہی تھا کہ کہیں تو آدمی کو یہ معلوم ہو کہ وہ کچھ نہیں جانتا۔ کہیں تو آدمی کو معلوم ہو کہ وہ محتاج ہے۔ تو سب سے بڑی چوٹ جو یہاں آکر دماغ پر لگتی ہے وہ یہ کہ ہم تو بالکل عامی اور جاہل ہیں ہمیں تو صرف نقوش آتے ہیں باقی دین کی حقیقت سے ہم بہت دور نظر آتے ہیں اسی کو علامہ اقبال نے کسی کے متعلق کہا ہے ؂

سر دیں ما را خبر اُو را نظر　　او درونِ خانہ ما بیرون در

یعنی ہمارے لئے دین کی حقیقت سنی سنائی چیز ہے اور ان کے لئے جانچی پرکھی دیکھی بھالی اور چکھی ہوئی چیز ہے وہ گھر کے اندر ہیں اور ہم گھر سے باہر غرض بزرگان دین کے یہاں

www.abulhasanalinadwi.org

جا کر آدمی کی سمجھ میں یہ بات آجاتی ہے خاص کر پڑھے لکھے لوگوں کی سمجھ میں کہ ہمیں اپنی صورت میں حقیقت پیدا کرنے کی ضرورت ہے اور اپنے قالب میں روح پیدا کرنے کی حاجت ہے، یہ سب سے بڑا فائدہ ہے۔

مجھے یاد ہے کہ حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ نے جب حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے رجوع کیا تو ان کے بہت سے غالی معتقدین کو ناگوار ہوا۔ اور سید صاحبؒ سے احتجاج کیا کہ ہماری جماعت کی ایک طرح کی سبکی ہوئی کہ ہم نے آپ کو بڑا بنایا تھا۔ گویا آپ شیخ الکل تھے اور ہر چیز میں آپ امام کا درجہ رکھتے تھے۔ اور آپ نے دوسرے کا دامن پکڑ لیا۔ تو اس سے ہماری خفت ہوئی اس پر ایک دن سید صاحبؒ نے فرمایا کہ یہ عجیب لوگ ہیں ایک طرف تو میرے معتقد بنتے ہیں دوسری طرف مجھ ہی پر اعتماد نہیں کرتے یعنی میں اپنا فائدہ سمجھ کر وہاں گیا تو ان کو اس سے اختلاف ہے گویا میرے استاد بن کر مجھے مشورہ دیتے ہیں کہ آپ کہاں چلے گئے؟ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ میں ان سے پوچھ کر وہاں جاتا، میں تو اپنا فائدہ اس میں دیکھتا ہوں اور آپ کی خاطر وہاں نہ جاؤں، گویا اس دولت سے میں محروم رہوں۔

ان حضرات کے یہاں جو باتیں ملتی ہیں وہ صرف نکتے اور موشگافیاں نہیں ہیں وہ تو ذہانت کا نتیجہ ہے، درحقیقت ذہانت کے چار درجے ہیں اور جو ذہانت کا آخری درجہ ہے وہ روح کی ذہانت ہے۔ یہ روح کی ذہانت ایسی لطیف ہے کہ بیان الفاظ میں مشکل ہے جہاں سرحدیں ختم ہوتی ہیں دماغ کی ذہانت کی (جس سے پہلے زبان کی ذہانت کا درجہ تھا)۔ وہاں سے قلب کی ذہانت شروع ہوتی ہے۔ اور جہاں قلب کی ذہانت کی سرحد ختم ہوتی ہے وہاں سے روح کی ذہانت کی سرحد شروع ہوتی ہے۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کے ان مخلص اور مقبول بندوں کو حاصل ہوتی ہے جن سے اللہ تعالیٰ تربیت کا کام لیتے ہیں، اس میں سامنے ہونا نہ ہونا، مسافت کا قرب و بعد، معرفت و عدم معرفت سب برابر ہے کوئی چیز اس کے لئے شرط نہیں ان حضرات کی روح اتنی براق، اتنی سریع الادراک ہوتی ہے۔ کہ بلا کسی شرط کے خیر و شر کی تمیز ان کو حاصل ہو جاتی ہے، خصوصی طور پر ان حضرات کے یہاں جو چیز مجھے محسوس ہوتی ہے وہ یہی ہے اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کا مجھ پر بہت بڑا فضل ہے کہ بغیر کسی وجہ کے جس کی وجہ مجھے خود نہیں معلوم۔ اللہ

www.abulhasanalinadwi.org

تعالیٰ نے ایسے بندوں کے پاس مجھے پہونچادیا۔ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے یہاں ہم نے روح کی ذہانت کے کھلے نمونے دیکھے اور پھر حضرت (شاہ وصی اللہ صاحبؒ) میں، میں نے ان دونوں بزرگوں میں بہت زیادہ مشابہت دیکھی اگر چہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں بزرگوں سے الگ الگ کام لیا۔ ذوق بھی دونوں کا الگ الگ تھا لیکن بہت سی چیزوں میں مشارکت تھی۔ خصوصاً قلب کی ذہانت اور روح کی ذہانت میں۔

بہر کیف میں ان حضرات کے یہاں اس لئے آیا کرتا تھا کہ کبھی تو اس پر رعونت اور فریب خوردہ کو یہ محسوس ہو کہ وہ کچھ نہیں ہے کیونکہ اس سے بڑھ کر آدمی کیلئے کوئی چیز خطرناک نہیں ہے کہ اس کو کبھی یہ محسوس نہ ہو کہ کوئی کوچہ ایسا بھی ہے کہ جس سے وہ واقف نہیں اور خاص طور سے دین کے متعلق اگر یہ ذہن میں آجائے کہ مجھے سب کچھ معلوم ہے اور اب مجھے کسی کے پاس جانے کی ضرورت نہیں۔ تو اس سے زیادہ خطرناک کوئی چیز نہیں ہے۔ ایسا آدمی جو بھی دعویٰ کردے بعید نہیں ہے۔ اور اسی طرح کے لوگوں نے دعویٰ کیا بھی ہے[1]۔ ان لوگوں نے دعویٰ نہیں کیا جو پہاڑ کے نیچے کھڑے تھے کہ جب سر اٹھاتے تو دیکھتے کہ آسمان بھی بہت اونچا ہے۔ بلکہ جو لوگ سمجھے کہ ہم پہاڑ کی چوٹی پر پہونچ گئے ہیں انھوں نے دعویٰ کیا ہے، انسان کیلئے اس سے بڑھ کر کوئی چیز محافظ نہیں اور اس پر یہ بڑا فضل ہے کہ اس کو یہ معلوم ہو کہ دین کی ایسی جگہیں بھی ہیں جہاں جا کر دین کی وہ باتیں سننے یا دیکھنے میں آسکتی ہیں جس سے یہ معلوم ہوسکتا ہے کہ یہ ہمارا میدان نہیں اور یہاں ہمارا گذر نہیں۔

کوئی شخص اگر ایسا ہو کہ بولنے پر آئے تو بولتا جائے، اور لکھنے پر آجائے تو لکھتا جائے

---

[1] گمراہ فرقوں کے بانی سب اہل علم ہیں۔ جب کار چلتی ہے تو ڈرائیور کا پاؤں اس کے بریک پر ہوتا ہے اور اس کے کان (ہینڈل) اس کے ہاتھوں میں ہوتے ہیں پھر کار ٹھیک ٹھیک چلتی ہے اور ٹکر نہیں ہوتی اسی طرح جب مرید کی گردن پر شیخ کا پاؤں ہوتا ہے اور اس کے کان اس کے ہاتھ میں ہوتے ہیں تو وہ مرید بھی ٹھیک ٹھیک چلتا ہے اگر کار ڈرائیور نہ ہو تو سیدھے راستے پر چلیگی مگر جہاں چوراہہ آئیگا وہاں ٹکر کھائیگی۔ اسی طرح جتنے گمراہ فرقے پیدا ہوئے ہیں ان کے بانی سب اہل علم ہیں لیکن سب کے سب بدون شیخ رہبر رہنے والے ہیں پس شروع شروع میں تو ٹھیک چلتے ہیں لیکن جب موڑ یا چوراہا آتا ہے بھٹک جاتے ہیں عجب و کبر میں مبتلا ہوتے ہیں کسی کی سنتے بھی نہیں ہیں۔
ملفوظ محی السنۃ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم۔ (اضافہ از مرتب)

www.abulhasanalinadwi.org

اور دنیا بھر کے لوگ مل کر اس کی تعریف کرنے لگیں تو اس سے کچھ نہیں ہوتا بلکہ "سرّ دین" جس کو علامہ اقبالؒ نے کہا ہے اس کو کرنے کی ضرورت ہے اور وہ اللہ کے ان خاص بندوں ہی کے پاس ہوتا ہے، یہی چیز تھی جسکی وجہ سے حضرت ملاّ نظام الدین بانی درس نظامیہ نے سید عبدالرزاق بانسویؒ کا دامن پکڑا جو بالکل ہمارے بارہ بنکی اور لکھنؤ کے دیہات کی بولی بولتے تھے جیسے آوت ہے، جاوت ہے۔ (یعنی آتا ہے جاتا ہے) یہ ان کی زبان تھی مگر ملا نظام الدینؒ کا حال یہ ہے کہ مناقب رزّاقیہ میں دیکھتے چلے جائیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اپنے آپ کو ان کے سامنے بالکل ہیچ سمجھ رہے ہیں، اور آپ ہر دور میں اس کی مثال دیکھیں گے تیرھویں صدی میں مولانا عبدالحی صاحبؒ جن کو شاہ عبدالعزیز صاحبؒ خود شیخ الاسلام کا لقب دیتے ہیں اور مولانا اسمٰعیل شہیدؒ جن کو (شاہ صاحبؒ) حجۃ الاسلام کے لقب سے یاد کرتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ شیخ الاسلام مولانا عبدالحی اور حجۃ الاسلام مولانا اسمٰعیل شہیدؒ اگرچہ یہ دونوں میرے عزیز ہیں اور مجھ سے چھوٹے ہیں۔ مگر اظہار حق واجب ہے اس لئے کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو وہ مقام عنایت فرمایا ہے کہ جو کمتر کسی کو حاصل ہے، نیز فرماتے ہیں کہ ان کو مجھ سے کم نہ سمجھو۔ تو ان لوگوں کو دیکھئے کہ سید احمد شہیدؒ سے رجوع ہوئے جو کہ اُمی تو نہیں تھے مگر محض فارسی داں تھے اور جو کوئی پاس سے گذرتا اس سے پوچھتے، ارے بھائی! اس لفظ کے کیا معنی ہیں ذرا بتاتے جایئے۔ ان کا یہ علم تھا اور مولانا عبدالحیؒ سے تو انھوں نے پڑھا بھی تھا اس کے باوجود ان دونوں حضرات نے سید صاحب کی رکاب جو تھامی ہے تو مرتے دم تک نہیں چھوڑی جب کوئی پوچھتا کہ آپ لوگوں نے سید صاحبؒ میں کیا بات دیکھی جس کی وجہ سے ان کی طرف رجوع کیا؟ حالانکہ وہ علم میں بھی آپ کے مقابل میں کوئی مقام نہیں رکھتے۔ تو فرماتے بھائی ہم کو نماز پڑھنی بھی نہ آتی تھی انھوں نے نماز پڑھنا سکھایا۔ روزہ رکھنا نہ آتا تھا انھوں نے روزہ رکھنا سکھایا۔ نیز فرمایا کہ میں یہ عرض کر رہا تھا کہ جیسی اور بہت سی چیزیں ہیں۔ یہ بھی ضروری ہے کہ کوئی جگہ ایسی ہو جہاں پڑھے لکھوں کو بھی جا کر معلوم ہو کہ میں کچھ نہیں ہوں اگر خدانخواستہ ایسی جگہیں ختم ہوگئیں اور ایسے اللہ کے بندے نہ رہے۔ اگر صرف مدعیان علم رہ گئے اور ہم جیسے لوگ رہ گئے جن کے متعلق لوگ معلوم نہیں کیا کیا سمجھتے ہیں تو یہ بڑے خطرے کی بات ہے

عالم نشود ویراں تا میکدہ آباد است

www.abulhasanalinadwi.org

اللہ کا بہت بڑا فضل ہے کہ کچھ ایسے حضرات موجود ہیں جہاں نہ کسی خوش بیانی کی ضرورت ہے اور نہ کسی بڑے وسیع مطالعہ کی حاجت، یہ سب چیزیں تو ہر جگہ موجود ہیں۔

میں تو کہا بھی کرتا ہوں اور اس میں تنہا نہیں ہوں کہ آجکل کے علماء کے وعظ سے میرا جی نہیں لگتا۔ جلسے کی تحقیر اور علماء کی تنقیص نہیں کرتا اور اس کے فائدہ کا بھی انکار نہیں۔ لیکن خدا جانے کیا بات ہے اس کو بیماری ہی سمجھ لیجئے کہ میرا جی نہیں لگتا، ہمارا جی تو بس ایسے وعظ میں لگتا ہے جس میں خالص اللہ اور اس کے رسول کی بات پرانے انداز سے کہی جائے اور جنت اور دوزخ کا تذکرہ کیا جائے، چنانچہ جب یہ حضرات تقریر کرتے ہیں تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ نہ یہ کتابی علم ہے نہ کتابوں کی باتیں ہیں، بلکہ یہ علمی باتیں ہیں، سیدھی سادی دین کی باتیں اور ایسے انداز سے کہی جاتی ہیں کہ ہم کو بھی اس سے فائدہ ہوتا ہے۔

حضرت مولاناؒ کی خدمت میں بھی ہم جب آتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ جو کچھ فرمارہے ہیں۔ وہ حقیقت ہے اور ان کے یہاں لب لباب ہے، یہ نہیں کہ ایک چیز کو خوب پھیلا کر بیان کیا جارہا ہے۔ یہ چیز تو ہم کو دوسری جگہ نہیں ملتی۔ ہمارے یہاں کتب خانے ہیں اور دوسرے ذرائع ہیں جن سے ہم کسی بھی مضمون کو پھیلا سکتے ہیں، لیکن ان حضرات کے یہاں جو حقائق ہیں ان کی نوعیت ہی کچھ اور ہے۔

مولانا جامی صاحب نے ایک عالم کا جو مکالمہ سنایا کہ میں اور جگہوں پر گیا وہاں یہ چیز محسوس نہ ہوئی جو حضرتؒ کی خدمت میں آکر محسوس ہوئی۔ اس کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔

وہ یہ کہ بزرگوں کے یہاں کوئی بنیادیں، کوئی نیا علم کوئی نئی تحقیق، کوئی نیا انکشاف نہیں ہے۔ اس بارے میں بھی لوگ بہت غلط فہمی میں ہیں معلوم نہیں کیا سمجھتے ہیں کہ بزرگان دین کے یہاں جاکر کیسے کیسے دین کے اسرار و نکات اور عجیب عجیب تحقیقات سننے میں آئیں گی۔ تو یہ بھی ہوتا ہے۔ چنانچہ محی الدین ابن عربیؒ کے یہاں مجدد الف ثانی اور شیخ مخدوم یحییٰ بہاریؒ کے یہاں تو ایسے ایسے نکات ہیں کہ بڑے بڑے فلسفی ان کے سننے کے بعد کان پکڑ لیں اور سمجھیں کہ ہمیں تو علم کی ہوا بھی نہیں لگی۔ لیکن ان حضرات کے یہاں سے جو چیز لینے کی ہے وہ

www.abulhasanalinadwi.org

یہ کہ صورت اور رسم میں حقیقت پیدا کی جائے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ یہی خلاصہ بھی ہے تصوف کا، جس کا مطلب گویا بس اسکے سوا کچھ نہیں کہ نماز تو پڑھتے ہیں صحیح نماز پڑھنے لگیں اور دین کے سارے شعبوں میں حقیقت نہیں تھی۔ نیت صحیح نہیں تھی۔ اخلاص صحیح نہیں تھا۔ رخ صحیح نہیں تھا، حقیقت پیدا ہوجائے اور نیت درست ہوجائے اور اللہ کی رضا کیلئے ہم اس کو کرنے لگیں۔ اور شریعت کے احکام کی تلاش اور ان کا اہتمام پیدا ہوجائے، نیز ان کا ادب و احترام پیدا ہوجائے، احکام شرعیہ کا اہتمام اور انتظام یہ دونوں ہی چیزیں ضروری ہیں، بس یہ ہے کہ تل اوٹ پہاڑ جس کے بارے میں لوگ سمجھتے ہیں کہ تصوف پتہ نہیں کیا چیز ہے اور تصوف کی حقیقت جو میں بیان کر رہا ہوں اس میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔

حضرت مولانا کی تصنیف ''تصوف اور نسبت صوفیہ[1]'' اس سلسلہ کی بہترین چیز ہے میں نے پہلے بھی عرض کیا تھا پھر کہہ رہا ہوں کہ یہ کتاب اس قابل ہے کہ دوسری زبانوں میں بھی اس کا ترجمہ کیا جائے اور علماء خاص طور پر اس کو پڑھیں کیونکہ تصوف کی اصطلاح نے ہی اس پر پردہ ڈال دیا ہے لہٰذا بجائے تصوف کے جیسا کہ حضرت مولاناؒ کا معمول تھا۔ اس کو ''نسبت احسان'' یا حقیقت سے تعبیر کیا جائے اگر سب حضرات مل کر اس بات کو قبول کرلیں اور گو یہ کام مشکل ہے لیکن اگر ہوجائے تو کیا خوب ہے کہ منکرین تصوف سے ہمارا آدھا اختلاف تو اسی سے ختم ہوجائے گا۔

نیز فرمایا کہ تصوف کا لب لباب اور خلاصہ یہی ہے کہ جو کچھ ہم صبح سے شام تک کرتے رہتے ہیں بغیر کسی نیت کے اور بغیر کسی احتساب کے وہ ہم احتساب اور نیت کے ساتھ کرنے لگیں، ہمارے اندر اصلیت پیدا ہوجائے، نیز اس کی اہمیت پیدا ہوجائے، گویا نمک ہے مگر اس میں نمکینی نہیں ہے، شکر ہے مگر اس میں مٹھاس نہیں ہے مٹھاس پیدا ہوجائے، پانی ہے مگر اس میں برودت اور تسلی دینے اور پیاس بجھانے کی صلاحیت نہیں، وہ ایسا ہوجائے کہ اس سے ہمارا حلق تر ہو رہا ہو، ہمارے جسم کا ایک ایک عضو تر ہو رہا ہو، اور ہماری زبان سے اللہ کا شکر ادا ہو، ہمارے اور پانی کے درمیان جو رشتہ ہے حقیقت میں وہ ٹوٹ گیا ہے۔ پانی بھی موجود ہے

---

[1] ملنے کا پتہ:- مکتبہ اشرفیہ ۳۶، محمد علی روڈ، بمبئی ۳

www.abulhasanalinadwi.org

اور ہم بھی ہیں لیکن پانی سے جو فائدہ ہم کو پہونچنا چاہئے وہ نہیں پہنچ رہا ہے اس میں پانی کا نقص کم اور ہمارا نقص زیادہ ہے بس یوں سمجھ لیجئے کہ ہمارے اور اس کے درمیان پل ٹوٹ گیا ہے۔ پل تعمیر کر لیجئے تاکہ پانی اپنا کام کرنے لگے۔ اللہ کی نعمتیں بٹ رہی ہیں، اللہ کی دنیا بالکل اسی طریقے سے ہے جیسی تھی لیکن اس سے استفادہ کے جو وسائل تھے وہ کمزور ہو گئے ہیں۔ بقول اکبر مرحوم ؎

اللہ کی راہ اب تک ہے کھلی آثار و نشاں سب قائم ہیں
اللہ کے بندوں نے لیکن اس راہ پہ چلنا چھوڑ دیا

یہی حال دین کی نعمتوں کا ہے، قرآن وہی، رسول اللہ ﷺ کے ارشادات وہی احکام شرعیہ سب وہی اور ان پر اللہ کے جو وعدے ہیں سب برحق، لیکن ہمارے اور ان کے درمیان جو رشتہ ہونا چاہئے تھا اعتقاد کا، یقین کا، بھروسے کا اور شوق کا وہ ٹوٹ چکا ہے اسی کو پیدا کرنے کی ضرورت ہے بس یہی چیز ان حضرات سے لینے کی ضرورت ہے اور اسی کے وہ امام تھے۔ ان کی تحریریں اور ان کے ملفوظات اور ارشادات اب بھی موجود ہیں اور ان میں وہی تاثیر ہے۔ مجھے خوب یاد ہے کہ حضرتؒ نے جو گرامی نامہ میرے نام تحریر فرمایا تھا۔ اس میں خواجہ محمد معصومؒ کی ایک عبارت بھی نقل فرمائی تھی، جس میں فَفِرُّوْا اِلَی اللہ تحریر تھا، میں نے جب حضرت کا وہ خط پڑھا تو مجھ پر کئی دن تک اس کا اثر رہا۔ خواجہ معصومؒ کا مضمون بالکل ایسا معلوم ہوا کہ ایک زندہ چیز ہے اور ابھی کسی اللہ کے بندے نے لکھا ہے ایک تو حضرت خواجہ محمد معصوم کی تحریر پھر حضرتؒ کا اس کو نقل کرنا ان دونوں باتوں کے امتزاج سے اس میں اثر ہی دوسرا تھا۔

خدا کا شکر ہے ''جائے بزرگاں بجائے بزرگاں'' آج حضرت تو نہیں ہیں مگر حضرت کے جو معمولات تھے اور ان کی اصلاح و تربیت کا جو طریقہ تھا وہ آپ حضرات نے اللہ کے فضل اور اس کی توفیق سے جاری رکھا ہے حضرت کی یہ مقبولیت اور خصوصیت ہے ورنہ بہت سی جگہ دیکھا کہ جب وہ بزرگ اٹھ گئے تو سب چیزیں ختم ہو گئیں اور وہ جگہ خالی ہو گئی۔ سوا اس کے کہ جا کر زیارت کر لیجئے، کوئی پیغام وہاں سے نہیں ملتا اور دل کی دوا وہاں نہیں ملتی بزرگوں نے اسی موقع کے لئے یہ مصرعہ پڑھا ہے ؎

www.abulhasanalinadwi.org

وہ جو بیچتے تھے دوائے دل وہ دکان اپنی بڑھا گئے

چنانچہ جہاں جایئے یہی نظر آتا ہے کہ جن کی دوکان تھی وہ واقعی بڑھا گئے۔ لیکن اللہ کا شکر ہے کہ یہاں کے لوگوں نے حضرتؒ کے کام کو جاری رکھا رسالے کے ذریعہ، مجلسوں کے ذریعہ، خطوط کے ذریعہ اور حضرت کے جو جو افادے کے طریقے تھے اس کے ذریعہ ان چیزوں کو باقی رکھا، بیشک دین زندہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمیشہ اس کا انتظام رہے گا کہ حقیقی دین باقی رہے۔ اور وہ زندہ انسانوں کے ذریعہ سے زندہ رہے گا۔

لہذا اب اس کی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان تحقیقات اور ملفوظات کے ساتھ ساتھ ان کے سلسلے اور ان کے خاندان اور ان کے دوستوں کو اس کی توفیق دیتا رہے کہ وہ اس کام کو جاری رکھیں اور خود ان سے بھی دوسروں کو وہی پیغام ملتا رہے۔ اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے اور یہ فیض جاری رہے۔ یہ شہر تو ہمیشہ سے مرکز رہا ہے، اور یہاں کیسے کیسے اللہ کے بندے پیدا ہوئے ہیں اور آخر میں حضرتؒ نے بھی اسی جگہ کا انتخاب فرمایا اور وہ چیز زندہ ہوگئی ؎

ہنوز آں ابر رحمت درفشاں است　　خم و خمخانہ با مہر و نشاں است

الحمدللہ کہ ابھی خم وخمخانہ مہر ونشاں کے ساتھ باقی ہے، خدا کا شکر ہے کہ حضرتؒ کے بعد اتنے دن گذر جانے کے باوجود بھی الحمدللہ جگہ خالی نہیں ہے اور یہاں سے وہی پیغام ملتا ہے اور وہی بات کہی جاتی ہے ؎

اللہ رکھے آباد آں ساقی ترا میخانہ

www.abulhasanalinadwi.org

اقتباس از پیش لفظ

از سلوک سلیمانی (صفحہ: ۴۱ تا ۴۶)

از فرید العصر و مونس ملت حضرت علامہ ابوالحسن علی الندوی دامت برکاتہم

ناچیز راقم سطور کیلئے محبّ گرامی مولانا محمد اشرف خان صاحب ایم۔اے (صدر شعبۂ عربی اسلامیہ کالج پشاور) کی گرانمایہ تصنیف ''شاہراہِ معرفت یا سلوک سلیمانی'' کے متعلق اظہار خیال کرنا کئی طرح سے سعادت و مسرت کی بات ہے۔ ایک تو موضوع کی اہمیت اور مقصد کی عظمت کے لحاظ سے کہ اس میں قلیل سے قلیل اور برائے نام حصہ لینا بھی ایک ایسے شخص کے لئے سعادت کی بات ہے جو اس ''طب نبوی'' کو مسلمانوں کی موجودہ مریض نسل کے لئے آب حیات و دوائے شفا سمجھتا ہے دوسرے اس لحاظ سے کہ یہ کتاب ایک ایسی ہستی کی تحقیقات اصلاح و تربیت کے اصول اور تعلیم و افادہ کی روشنی میں مرتب ہوئی ہے۔ جس سے اس کی حقیر ذات اور اس ادارہ کا جس سے اس کا انتساب ہے نہایت گہرے مخلصانہ اور نیازمندانہ تعلقات ہیں، میری مراد حضرۃ الاستاذ علامہ سید سلیمان ندویؒ کی ذات سے ہے جن کا تعلق ندوۃ العلماء اور اس کے فرزندوں سے مربیانہ اور سرپرستانہ رہا ہے۔ اور جو اس کے منتسبین کیلئے فخر و نازش کا سب سے بڑا سرمایہ اور عزت و توقیر کا باعث ہیں۔

راقم کے خیال میں دو علم ایسے ہیں جن کی تجدید ہر زمانہ میں اور ہر نسل کے لئے ضروری ہے۔ وہ کبھی نئے تجربوں، زمانہ اور ماحول کی رعایت، طبیعتوں اور مزاجوں کے تغیر کی دیکھ بھال اور لحاظ اور زندگی سے بار بار رشتہ قائم کرنے سے متعلق نہیں ہو سکتے۔ ایک طب قلوب کا علم یا دوسرے لفظوں میں ایک معالجۂ جسمانی دوسرے معالجۂ روحانی کا علم، پہلے علم کا عرفی اور مشہور نام طب و حکمت (میڈیسن) ہے اور دوسرے کا عرصہ سے تصوف نام پڑ گیا ہے، حالانکہ

www.abulhasanalinadwi.org

اس کا قرآنی نام تزکیہ (وَيُزَكِّيهِمْ) اور حدیث وسنت کی اصطلاح ''احسان'' ہے (مَا الْإِحْسَانُ؟ قَالَ: اَنْ تَعْبُدَاللهَ كَاَنَّكَ تَرَاه) اور بہت اچھا ہوتا۔ کہ یہ علم انہیں دو ناموں سے موسوم ہوتا کہ بہت سے تنازعے اور عیش اسی سے ختم ہوجائیں اور بہت سی صلاحیت اور وقت ضائع ہونے سے بچ جاتا' بہر حال جیسا کہ خود حضرت سید صاحب نے ایک گرامی نامہ میں تحریر فرمایا ہے۔

اصطلاحات تنازعہ کی چیز نہیں' اور ناموں کے اختلاف سے حقیقت نہیں بدلتی۔

چنانچہ ان دونوں علوم میں تجدید کا جو عمل جاری رہا اور جس طرح ان کے ماہرین نے زمانہ کے تغیرات ملک وقوم کے تنوعات' موسموں اور آب وہوا کی تبدیلی' طبیعتوں اور مزاجوں کے فرق کی رعایت کی وہ ان دونوں علوم کی عہد بعہد کی کتابوں اور ان کی تاریخ سے واضح ہوتا ہے اور یہ سلسلہ اب تک جاری ہے' اور جب تک یہ علوم یکسر اپنی افادیت اور ان کے حاملین اپنی صلاحیت نہیں کھودیتے جاری رہے گا۔

اسی طرح سے ان دونوں علوم میں ایک اور حقیقت مشترک ہے اور وہ یہ ہے کہ ان دونوں علوم میں اجتہاد سے چارہ نہیں' ہر جسمانی معالج اور ماہر فن کو کسی نہ کسی درجہ میں اجتہاد سے کام لینا اور اپنے فن کی شاہراہِ عام سے اور اس کے عام ضوابط وکلیات سے آزاد ہونا پڑتا ہے' اور بعض مزمن امراض کا علاج اور بعض جاں بلب مریضوں کی مسیحائی کا فریضہ انجام نہیں دے سکتا یہی حال اخلاقی وروحانی معالج کا ہے کہ وہ مقلد محض بن کر مختلف الطبائع اور متنوع اور مختلف المزاج مریضوں اور پیچیدہ امراض کا علاج نہیں کرسکتا اور اس کو بار بار اپنے فن اور اس کے پیشواؤں کی بنی تلی راہ سے اپنا اور اپنی خداداد ذہانت اور اس فراست ایمانی سے جس میں بصیرت احسانی بھی شامل ہوگئی ہے' نیا نسخہ تجویز کرنا اور نیا مرکب تیار کرنا پڑتا ہے۔ وہ بعض اوقات اس فن کے مبتدیوں اور سطحی النظر لوگوں کو علاج بالمثل یا علاج بالسمیات نظر آتا ہے۔ لیکن وہ ان مریضوں کے حق میں نوشدارو اور آب حیات بن جاتا ہے۔

طب قلوب وارواح یا ''فقہ باطن'' یا تزکیہ واحسان کا یہ علم جسکو ہم مجبوراً تصوف کہتے

www.abulhasanalinadwi.org

ہیں۔تجدید وارتقاء کے منازل سے برابر گذرتا رہا اور ہر دور میں اس میں اجتہادی شان بلکہ انقلابی فکر نظر آتی رہی۔سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ، خواجہ معین الدین چشتیؒ خواجہ بہاء الدین نقشبندیؒ اور شیخ شہاب الدین سہروردیؒ اپنے اپنے دور کے امام اور اس فن کے مجتہد مطلق تھے ان کے بعد ہر ایک سلسلہ میں تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد مجدد و مجتہد پیدا ہوتے رہے۔جن کے ناموں اور کارناموں کی تفصیل اس علم کی مفصل تاریخ کا موضوع ہے، اور اس مختصر مضمون میں اجمالی طور پر بھی اس کا تذکرہ ممکن نہیں۔اس سلسلہ میں امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ حضرت سید آدم بنوریؒ حضرت سید احمد شہیدؒ حضرت شاہ غلام علیؒ اور دور آخر میں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کا نام اس حیثیت سے لینا ضروری ہے کہ انھوں نے اپنے اپنے دور میں مقاصد کے لئے وسائل کے انتخاب، اجزاء سلوک میں حذف و اختصار اور اس کو موثر و سہل بنانے اور مختلف تجربات کو باہم ملانے میں نمایاں اجتہاد سے کام لیا۔

اسی سلسلۃ الذہب کی ایک طلائی کڑی حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کی ذات تھی، وہ ایک طرف علوم دینیہ کے ایک متبحر اور راسخ العلم عالم تھے، دوسری طرف ان کو ایسا زمانہ ملا جو نئے تمدنی مسائل و مشکلات سے گرانبار تھا۔زندگی کی مصروفیتیں بہت بڑھ گئی تھیں، قوائے جسمانی اور طبیعتیں کمزور اور سہولت پسند واقع ہوئی تھیں اس سب پر مستزاد یہ کہ تصوف اور سلوک سے ایک طرح کی وحشت اور خوف اور بعض تعلیم یافتہ طبقوں میں انکار کا رجحان پایا جاتا تھا۔اس سب کا تقاضہ تھا کہ جو شخص اس زمانہ میں اصلاح و تربیت اور اس ''طب نبوی'' کی اشاعت و حفاظت کے لئے منتخب ہو وہ وان تمام حقائق سے واقف اور اس پر قابو پانے کی صلاحیت رکھتا ہو۔وہ اپنی مجتہدانہ صلاحیت سے اس علاج و معالجہ کو سہل، عمومی، ہر طبقہ کے لئے قابل عمل اور باعث کشش بنادے اور اس میں ایک ایسی نئی روح پھونک دے کہ اس کا ''مطب'' مرجع خاص و عام بن جائے اور وہاں صرف دوا سے نہیں بلکہ غذا سے بھی شدید پرہیز نہیں بلکہ وسعت و رعایت سے بھی اور قیمتی مرکبات سے نہیں بلکہ روزمرہ کے مفروات اور پیش پا افتادہ چیزوں سے بھی پیچیدہ امراض کا علاج ہوتا ہو، اس کو انسانی نفسیات و طبائع اور مرض و مریض کے تغیرات کا ایسا وسیع علم اور تشخیص و تجویز کا ایسا ملکہ

www.abulhasanalinadwi.org

راسخہ عطا ہو کہ وہ چٹکلوں اور چٹکیوں میں بڑے بڑے مریضوں کا علاج کر دیتا ہو' یہ حکیم الامت کے مطب کی خصوصیات ہیں جن کی تصدیق تربیۃ السالک' امداد السلوک وغیرہ کے صفحات اور حکیم الامت کے مکتوبات سے بخوبی ہو سکتی ہے۔

یہ بھی اللہ تعالیٰ کے خاص حکمت و رحمت کا کرشمہ تھا کہ حضرت مرحوم کو اپنے آخری دور میں دو ایسے شارح و ترجمان اور ان کے طریقہ علاج اور ان کے ذوق و مزاج کے دو ایسے رمز شناس ملے جنہوں نے حضرت کے مضامین عالیہ اور نکات و تحقیقات کو اس دور کی نئی اور علمی و ادبی پیرایۂ بیان میں ادا کرنے کی خدمت انجام دیا اور اس کو جدید تعلیم یافتہ طبقہ کے لئے زیادہ قابل فہم اور قابل استفادہ بنا دیا اس حیثیت سے بھی مولانا مرحوم اپنے معاصرین میں امتیازی شان رکھتے ہیں کہ ان کو ایسے بنے بنائے ' کہنہ مشق اور صاحب طرز مصنف و اہل قلم مل گئے جو قسمت ہی سے کسی کو ہاتھ آتے ہیں' میری مراد مولانا عبدالباری صاحب ندوی اور مولانا سید سلیمان صاحب ندوی سے ہے۔ اولذکر نے تجدید تصوف و سلوک کی کتابیں لکھ کر اور ثانی الذکر نے اپنے مکاتیب اصلاح و تربیت اور چند نہایت باصلاحیت صاحب قلم اور مخلص مریدوں کو تیار کر کے (جن میں مولوی غلام محمد صاحب حیدر آبادی، بی اے اور اس کتاب کے مصنف مولانا محمد اشرف خانصاحب خاص طور پر قابل ذکر ہیں) مولانا کے اس طرز اصلاح اور تجدید تصوف و سلوک کو اور زیادہ مقبول و وسیع بنا دیا۔ نئی تعلیم یافتہ اور علمی و ادبی ذوق رکھنے والی نسل کو ان بلند و عمیق مضامین و مقاصد سے مانوس کرنے میں مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی کے مضامین اور ان کی کتاب ''حکیم الامت-نقوش و تاثرات'' کا بھی بڑا حصہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا اپنے خاص بندوں کے ساتھ معاملہ عجیب و غریب ہے حضرت الاستاذ مولانا علامہ سید سلیمان ندویؒ بہت آخر میں اور جیسا کہ انھوں نے اپنے شعر میں کہا ہے کہ بہت دیر سے اور بہت دور سے حضرت تھانویؒ کی خدمت میں پہنچے تھے۔ لیکن یہ دوری اور دیر حاضری ان کے حق میں ذریعہ بعد نہیں' بلکہ ذریعہ قرب اور وسیلۂ محبوبیت ثابت ہوئی وہ خلوص و طلب کی جو گرمی' طبیعت کی بے چینی اور روح و قلب کی تشنگی لے کر گئے تھے، اس نے سالوں اور مہینوں کی مسافت ہفتوں اور دنوں میں طے کرا دی اور انہوں نے صحبت شیخ میں

www.abulhasanalinadwi.org

محبت وفنائیت کے رطل گراں نوش کئے اور بہت جلد شیخ کی طرف سے اعتماد واستناد کا وہ تمغہ پایا جس کے انتظار میں لوگ مدتوں رہا کرتے ہیں اور بڑے بڑے ہفت خواں طے کرتے ہیں۔ اور شیخ نے ان کی مدح وتوصیف اور تصدیق وتوثیق میں ایسے اشعار کہے جو ہر مرید کیلئے قابل صد ہزار نازش وافتخار ہو سکتے ہیں۔ ''وَذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ''

از سلیمان گیر اخلاص وعمل ☆ دان تو ندوی را منزہ اڑ دغل

اے دلت پر نور از انوارِ حق ☆ اے دلت مسرور از اخبار حق

اے دلت معمور از اسرار حق ☆ اے دلت مخموراز آثار حق

صد مبارک باد این اظہارِ حق ☆ صد مبارک باد این اقرارِ حق

www.abulhasanalinadwi.org

مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی
استاذ حدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ اور تصوّف وسلوک

''تعمیر حیات کے خصوصی شمارہ ''مفکر اسلام نمبر (جولائی تا اگست ۲۰۰۰ء) سے
مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی مدظلہٗ استاد حدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے مضمون
''حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اور تصوف وسلوک'' سے ایک اقتباس.....

تصوف ایک ایسی حقیقت ہے جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا لیکن جن حضرات کو اس کے صحیح حاملین اور اس راہ کے معتبر اور صحیح رہنماؤں کی صحبت وزیارت کی توفیق نہیں ہوسکی۔ ان کے سامنے تصوف کی اصطلاح ایک معمہ اور چیستاں بن کر رہ گئی، اور اسکے پس پردہ ایک ایسا خرافاتی نظام نظر آنے لگا جو روح شریعت سے متصادم اور کتاب وسنت کا متوازی نظام تھا جو ظاہر ہے۔ کوئی توحید کا متوالا اور سنت کا شیدائی، غیرت ایمانی اور حمیت اسلامی رکھنے والا انسان برداشت نہیں کرسکتا اور نہ کرنا چاہئے۔ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا ہے۔

اس صورتحال سے ہم کو اندازہ ہوتا ہے کہ اس اصطلاح ''تصوّف'' نے دین کی کتنی عظیم کتنی روشن اور کتنی اہم حقیقت پر پردہ ڈال دیا ہے اور بہت سے لوگوں کی راہ میں اس حقیقت کے حصول میں مانع بن گیا ہے۔

اس کے آگے مزید وضاحت کرتے ہوئے اس چیز کا ذکر فرماتے ہیں جس نے خاص طور سے اس دینی حقیقت کو اور زیادہ غبار آلود کردیا ہے۔

''وہ پیشہ ور اور جاہ طلب وحقیقت فروش اور الحاد شعار اور فاسد العقیدہ، نام نہاد صوفی ہیں جنھوں نے دین میں تحریف کرنے، مسلمانوں کو گمراہ کرنے، معاشرہ میں انتشار پیدا کرنے، آزادی و بے قیدی کی تبلیغ کرنے کیلئے تصوف کو آلۂ کار بنایا۔ اور اس کے محافظ وعلمبردار بن کر لوگوں کے

www.abulhasanalinadwi.org

سامنے آئے، نتیجہ یہ ہوا۔ اہل غیرت و اہل حمیت مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد ان سے بدظن ہوگئی، کچھ غیر محقق صوفی ایسے تھے جو اس شعبہ کی روح اور اس کے حقیقی مقاصد سے نا آشنا تھے، وہ مقصد و وسیلہ میں تمیز نہ کر سکے، بعض اوقات انھوں نے وسائل پر تو بہت اصرار کیا۔ اور مقاصد کو نظر انداز کر دیا۔ اور اس شعبہ یا اس فن میں ایسی چیزیں داخل کیں جن کا اس سے کوئی تعلق نہیں تھا، اور اس کو فن کی روح اور اس کا کمال قرار دیا بلکہ مقصود مطلوب سمجھ بیٹھے۔ (تزکیہ واحسان ۱۵، ۱۶)

اس سلسلہ میں ان حضرات کو جنھوں نے اس شعبہ سے بالکل ہی گریز اختیار کر لیا مشورہ دیتے ہیں۔

''بہر حال واقعات ہمیشہ انسان کی خواہش کے تابع نہیں ہوتے۔ اب ہم کو فراخ دلی کے ساتھ اس حقیقت کا اعتراف کرنا چاہئے اور قیود و اصطلاحات اور خواہشات و تعصبات سے آزاد ہو کر سوچنا چاہئے۔ ایسا نہ ہو کہ ہم ایک دینی حقیقت سے محض ایک نئی اصطلاح اور ایک مروج نام کی وجہ سے گریز اختیار کرنے لگیں''۔

حضرت نے تصوف و سلوک کو ایک الہامی نظام قرار دیا ہے اور مثالیں دیکر اس کی خوب وضاحت فرمائی ہے، اذان کی خواب میں تلقین لیلۃ القدر کا طاق راتوں میں دیکھنا، تراویح کا اجتماعی نظام، قرآن مجید کا مصاحف میں جمع کرنا، قرن اول و ثانی اور اس کے بعد کی ابتدائی صدیوں میں حدیث کی جمع و تدوین کا کام، مجتہدین کا استنباط علم نحو و قرأت، اصول فقہ اور قرآن اور اس کی زبان کو محفوظ کرنے والے تمام مفید علوم کی تدوین اور مدارس کی تعمیر، کتابوں کی نشر و اشاعت وغیرہ ان مثالوں کو قدرے تفصیل کے ساتھ تحریر فرمانے کے بعد رقمطراز ہیں۔

''تزکیۂ نفس و تہذیب اخلاق کا وسیع و محکم نظام جس نے بعد کی صدیوں میں ایک مستقل علم و فن کی شکل اختیار کر لی نفس و شیطان کے مکائد کی نشاندہی۔ نفسانی و اخلاقی برائیوں کا علاج، تعلق مع اللہ اور نسبت باطنی کے ذرائع و طرق کی تشریح و تربیت جس کی اصل حقیقت تزکیہ و احسان کے ماثور و شرعی الفاظ میں پہلے سے موجود تھے اور جس کا عرفی و اصطلاحی نام بعد کی صدیوں میں ''تصوف'' پڑ گیا۔ اس اجتماعی الہام کی ایک درخشاں مثال ہے''۔

اس تربیت گاہ سے جو حضرات تیار ہو کر میدان میں آئے اور تاریخ میں قائدانہ کردار ادا کیا۔ ان کے بارے میں فرماتے ہیں۔

www.abulhasanalinadwi.org

''اس گروہ کی افادیت اور اس کی خدمات سے انکار یا تو وہ شخص کریگا جس کی تاریخ اسلام پر نظر نہیں، یا جس کی آنکھوں پر تعصب کی پٹی بندھی ہوئی ہے۔'' (تزکیہ واحسان ۲۹، ۳۰)

اس موضوع پر اس کتاب میں سیر حاصل بحث کی گئی ہے مکمل کتاب کا مطالعہ مفید ہوگا) ایک جگہ اس شعبہ کے تعلق سے لکھتے ہیں۔

''دین کے اس شعبہ اور اسلام کے اس رکن کا جس کو ہم تزکیہ یا احسان یا فقہ باطن کہتے ہیں صاف اقرار کرتے اور اس بات کو بلا تأمل قبول کرتے، کہ وہ شریعت کی روح، دین کا لب لباب اور زندگی کی بنیادی ضرورت ہے، اور یہ کہ جب تک اس شعبہ کی طرف کما حقہٗ توجہ نہ کی جائے اس وقت تک کمال دین حاصل نہیں ہوسکتا اور اجتماعی زندگی کی بھی اصلاح نہیں ہوسکتی۔ اور نہ صحیح معنی میں زندگی کا لطف آسکتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے مقاصد بعثت میں اس کو بیان کیا گیا ہے اور جو اوصاف تعلیم کتاب وحکمت وغیرہ کے بیان کئے گئے ہیں۔ ان اوصاف میں رسول اللہ ﷺ کی مخصوص صفت ''تزکیہ'' ہے۔''

تزکیہ کا مطلب کیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے اس پر کس طرح عمل کیا اور کیا اثرات مرتب ہوئے، حضرتؒ تحریر فرماتے ہیں:

''تزکیہ کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ صرف پڑھ کر سنا دینے اور سمجھا دینے پر اکتفا نہیں کرتے، بلکہ اس تلاوت وتعلیم کا رنگ ان پر چڑھا دیتے ہیں۔ اس کتاب وتعلیم کو ان کے کانوں اور دماغوں سے گذار کر ان کے قلوب وارواح کو رنگین کرتے ہوئے ان کے اعضاء وجوارح سے جاری کردیتے ہیں۔

اسی لئے آپ ﷺ دنیا کے سب سے کامیاب ہادی ومرشد تھے صحابہ رضی اللہ عنہم کی حیرت انگیز روحانی اخلاقی، ذہنی، عملی، تبدیلی اور اسلام کی ابتدائی کامیابی کا راز یہی تھا اور آج اسی کی کمی اسلامی زندگی کے ہر گوشہ میں سب سے زیادہ نمایاں طور پر محسوس ہوتی ہے۔''

آگے تحریر فرماتے ہیں:

''تزکیہ کرنے والے آپ کی امت کے وہ اہل دل اور صاحب حال بزرگ ہیں جو آپ کے انفاس وانوار کے وارث وحامل ہیں۔

www.abulhasanalinadwi.org

انبیاء کی بعثت کا مقصد پورا کرنے کیلئے اور ان کی برکات پہونچانے کیلئے تزکیہ بھی اتنا ہی ضروری کام ہے جتنی کتاب وحکمت کی تعلیم، یوں سمجھنا چاہئے کہ یہ تعلیم ہے وہ تربیت اور تکمیل انسانیت کیلئے دونوں کی ضرورت ہے۔''

تزکیہ کی کمی اعلیٰ تعلیم کے باوجود اسی طرح محسوس ہوتی ہے جس طرح کھانے میں نمک کی کمی اور دونوں کے نتائج میں وہی فرق ہے جو اکبر مرحوم نے بیان کیا ہے ؎

زباں گو صاف ہو جاتی ہے دل طاہر نہیں ہوتا

روز بروز یہ حقیقت واضح ہوتی جاتی ہے کہ دین جس چیز کا نام ہے وہ اعلیٰ سے اعلیٰ دینی تعلیم سے بھی نہیں پیدا ہوتی۔ ؎

دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

اہل دل نے ہمیشہ یہ ضرورت پوری کی اور امت کی اصلاح میں اور دین کی خدمت میں علماء کا اچھی طرح ہاتھ بٹایا، دونوں نے مل کر رسول اللہ ﷺ کی کامل نیابت کا فرض انجام دیا۔

(سیرت سید احمد شہیدؒ ۲۶۸ طبع ثانی)

اس مرتبۂ احسان کی اہمیت وعظمت کو بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

''مرتبہ احسان جو نقد جان بلکہ دولت کونین دے کر بھی مل جائے تو ارزاں ہے۔ ؎

متاع وصل جاناں بس گراں است گر ایں سودہ بجاں بودے چہ بودے

احسان سے مراد یقین واستحضار کی وہ کیفیت ہے جس کیلئے ہر صاحب ایمان کو کوشاں ہونا چاہئے اور جس کا شوق ہر مرد مومن کے دل میں موجزن ہونا چاہئے۔''

(تزکیہ واحسان ۱۷) (اقتباس از مفکر اسلام نمبر: ص: ۲، وص: ۲۹)

www.abulhasanalinadwi.org

چند ارشادات وملفوظات

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

(ماخوذ از تعمیر حیات ''مفکر اسلام نمبر، ص: ۳۰۵ تا ۳۱۱)

دل ودماغ کا فرق

دل ودماغ کے فرق واضح کرتے ہوئے ایک موقع پر فرمایا:

''کہ دل اور دماغ میں جو بڑا فرق ہے وہ یہ ہے کہ دماغ ہفت زبان ہے، دل ایک زبان رکھتا ہے، دماغ انگریزی جانتا ہے، دماغ فرانسیسی جانتا ہے، دماغ عربی جانتا ہے، دماغ فارسی جانتا ہے، سنسکرت جانتا ہے۔ اعلیٰ سے اعلیٰ تقریریں کرو، لطیف نکتہ پیدا کرو بلند سے بلند فلسفیانہ بحثیں کرو، لیکن دل ایک ہی زبان جانتا ہے، انصاف کی زبان جانتا ہے اور محبت کی زبان جانتا ہے، دل فلسفوں سے نہیں سمجھے گا باریکیوں سے نہیں سمجھے گا، سائنس سے، منطق سے نہیں سمجھے گا۔ ہاں اللہ کا نام لو تو دل جاگ اٹھے گا۔ اللہ کے نام سے پکارو دل دوڑ پڑے گا۔ اللہ کے نام کی دہائی دو دل سب کچھ نچھاور کردیگا۔ دل کو جگا لینے اور دل کو ایک مرتبہ خیر کے راستہ پر ڈال دینے اور اس کے ساتھ دل میں انسان کی بھی محبت پیدا کر لینے کے بعد پھر کسی خیر کی کمی کا احساس نہ ہوگا۔ نہ وسائل کی، نہ لطافت کی نہ تنظیم کی، نہ دولت کی۔''

صحبت کا کوئی بدل نہیں

فرمایا: ''صحبت کا کوئی بدل نہیں۔ اگر کوئی بدل ہوتا تو پھر صحابہ کرامؓ کو صحابہ نہ کہا جاتا۔ اولیاء اصفیاء یا اور کوئی خطاب دیا جاتا۔ کثرت عبادت اور ذکر وتسبیح میں تابعین میں بھی لوگ بہت بڑھ گئے تھے لیکن کوئی صحابہ کے مقام ومرتبہ کو نہ پہونچ سکا۔ صحبت میں اللہ تعالیٰ نے بڑی تاثیر رکھی ہے۔ چند لمحوں میں اس سے جو فائدہ ہوتا ہے وہ کسی بڑی ذہانت سے مطالعہ سے بھی نہیں ہوتا اسی سے حرارت، نورانیت اور اعتدال پیدا ہوتا ہے اور اسی سے کسی چیز کا اعتبار اور اس کی قدر وقیمت معلوم ہوتی ہے، جو نہ کتابوں میں ملتی ہے، نہ علم سے حاصل ہوتی ہے۔ گویا یہ ایک چراغ ہے۔ چراغ چراغ سے جلتا ہے۔''

www.abulhasanalinadwi.org

اہل اللہ کے یہاں حاضری کا فائدہ

ایک سوال کے جواب میں فرمایا:

''بزرگوں کے یہاں حاضری کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ آدمی اپنے کو حقیر سمجھنے لگتا ہے۔ ان کی زندگی کو دیکھ کر اپنے حالات پر شرمندگی ہوتی ہے، اور ان کے اخلاق، عبادت، روحانیت کو دیکھ کر اپنے وجود سے شرم آنے لگتی ہے، اور سارے عیوب وکمزوریاں نظر آجاتی ہیں۔''

ایک موقع پر فرمایا: ''صحبت کی تاثیر کے واقعات تواتر سے ثابت ہیں۔''

تصوف کیا ہے؟

ایک مجلس میں فرمایا: ''تصوف کا لب لباب اور خلاصہ یہی ہے کہ جو کچھ ہم صبح سے شام تک کرتے رہے ہیں بغیر کسی نیت کے اور بغیر کسی احتساب کے وہ ہم احتساب اور نیت کے ساتھ کرنے لگیں، ہمارے اندر اصلیت پیدا ہوجائے اور اس کی اہمیت پیدا ہوجائے، گویا نمک ہے، مگر اس میں نمکینی نہیں ہے شکر ہے مگر اس میں مٹھاس نہیں ہے، پانی ہے مگر اس کے اندر پیاس بجھانے کی صلاحیت نہیں ہے، یہ صلاحیت پیدا ہوجائے۔''

اخلاص اور اخلاق

فرمایا کہ: ''اللہ کے ساتھ اخلاص اور لوگوں کے ساتھ اخلاق ضروری ہے، اکثر فرمایا کرتے تھے کہ اخلاق تو اہل اللہ کے یہاں ہوتے ہیں۔ اور فرماتے لوگ بزرگوں کے پاس کشف و کرامات دیکھنے آتے ہیں جبکہ بزرگوں کے پاس ان کے اخلاق دیکھنے آنا چاہئے۔''

اہل قلوب کی تاثیر و برکت

فرمایا: ''میرا یہ اعتقاد ہے، اور تھوڑا بہت مطالعہ بھی اس کی تائید کرتا ہے کہ جہاں کہیں جو کچھ دین کا کام ہوا ہے وہ تو اہل قلوب نے کیا ہے یا اہل قلوب کے سایہ میں ان کی دعاؤں سے ہوا ہے، اہل قلوب کی دعا اور آہ سحر گاہی کی تاثیر و برکت ہے دین کا نظام اور اس کا فروغ اہل اللہ کے قلوب سے وابستہ ہے۔''

معمولات کی پابندی

ایک موقع پر فرمایا: ''بقدر گنجائش معمولات کی پابندی کرتے رہنا چاہئے۔ کہ اس سے قلب میں نورانیت اور کام میں برکت ہوتی ہے۔''

www.abulhasanalinadwi.org